بِسۡمِ اللّٰہِ

پیغام صلح انٹرنیشنل

دسمبر ۲۰۲۰ء
ربیع الثانی / جمادی الاوّل ۱۴۴۱ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان۔

ہمارے عقاید

حضرت محمد مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا
قرآن کی کسی آیت کی نہ تلاوت منسوخ ہے اور نہ حکم
حضرت مرزا غلام احمدؒ وہ مجدد تھے، جن کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی۔

مدیران

شاہد عزیز
مسز سمیرا احمد
ارشد علوی

فہرست مضامین

۱: کلام امام قُرآن کریم میں امانت دیانت کی تعلیم۔(اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔۱۳) ۲
۲: خطبہ از حضرت مولانا محمد علیؓ۔ حضرت امام زماں کے تجدید دین کے کام ۴

حضرت مسیح موعود نے فرمایا

مردم شماری کے فارم میں لکھو ’مسلمان فرقہ احمدیہ‘۔
- ’مجھے چھوڑ کر تم کون سا اسلام پیش کرو گے۔‘‘
غیر از جماعت امام اگر کلمہ گو کو کافر کہنے والے کے کافر ہونے کا اعلان کرے تو اُس کے پیچھے نماز ادا کرو۔
- احمدی کے لئے لازمی ہے کہ ہر ماہ چندہ دے۔
جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت سے خارج ہے۔
ہر احمدی کے لئے اپنی وصیت میں جماعت کے لئے ایک حصہ چھوڑنا لازمی ہے۔

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

Youtube: shorturl.at/foF02

پروگرام واوقات

اتوار – اردو ۰۹:۰۰ انگریزی ۰۹:۳۰
جمعہ – انگریزی ۱۳:۰۰
عیدین – انگریزی ۱۱:۰۰

پیر سے جمعرات ریڈیو نشریات

۱۹۰۰ – تدبر القرآن اردو
۱۹۳۰ – Reflections in the Holy Quran انگریزی

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
ای میل: Imam@LACommunity.uk

وقت تھا، وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

کلام امام
از حضرت مرزا غلام احمدؒ

اسلامی اصول کی فلاسفی (قسط۔۱۳)

مُرتّب:۔ ارشد علوی

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

امین اور دیانت دار بننا بہت نازک امر ہے:۔

جب تک انسان اس کے تمام پہلو بجانہ لاوے۔ امین اور دیانت دار نہیں ہوسکتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت یہ ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا --- وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی ☐ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (النساء:۵،۶) وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ ۠ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (النساء:۱۰،۹)

ترجمہ:۔ یعنی اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو۔ اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دے گا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ مال اس کا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو۔ اور وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو۔ اور اس مال میں سے بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لئے دے دیا کرو اور ان کو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو۔ یعنی ایسی باتیں جن سے ان کی عقل اور تمیز بڑھے، اور ایک طور

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲۔ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ ”اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“

۳۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسُوخ نہیں، نہ قیامت تک منسُوخ ہو گا۔

۴۔ بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوانبیاء

۵۔ ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶۔ ہر ایک شخص جو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہر گز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ”اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

سے ان کے مناسب حال ان کی تربیت ہو جائے۔ اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں۔ اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے ان کو سکھلاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال ان کو پُختہ کر دو۔ غرض ساتھ ساتھ ان کو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کا وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہو جائیں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو ان کا مال ان کے حوالہ کرو اور فضول خرچی کے طور پر ان کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کرکے کہ اگر یہ بڑے ہو جائیں گے تو اپنا مال لے لیں گے، ان کے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولتمند ہو اس کو نہیں چاہیئے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے۔ لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔

عرب میں مالی محافظوں کے لئے یہ طور معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کارپرداز ان کے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسعٰ یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہو اُس میں سے آپ بھی لیتے۔ راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو اِسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے رُوبرُو ان کو ان کا مال دو اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اس کے ضعیف اور صغیر السِن ہوں تو اس کو نہیں چاہیئے کہ کوئی ایسی وصیت کرے کہ جس میں یتیم بچوں کی حق تلفی ہو۔ جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظُلم ہو جائے وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں۔ اور آخر جلانے والی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

اب دیکھو خُدا تعالیٰ نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو بتلائے سو حقیقی دیانت اور امانت یہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اگر پُوری عقلمندی کو دخل دے کر امانتداری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھُپی ہُوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھے گی۔ اور پھر دُوسری جگہ فرمایا۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ۔۱۸۸) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء:۵۸) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (الانفال:۵۸) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (بنی اسرائیل:۳۵) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔(ھود:۸۵) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (النساء:۲)

یعنی آپس میں ایک دُوسرے کے مال کو ناجائز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رِشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو۔ تا اس طرح پر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالوں کو دبالو۔ امانتوں کو ان کے حقداروں کو واپس دے دیا کرو۔ خُدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جب تم ماپو تو پُورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پُوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگوں کو اُن کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیّت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنی اس نیّت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کتریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں۔ اور پھر فرمایا کہ تم اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردّی چیزیں نہ دیا کرو یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبالینا ناجائز ہے۔ اسی طرح خراب چیزیں بیچنا یا اچھی کے عوض میں بُری دینا بھی ناجائز ہے۔

ان تمام آیات میں خُدا تعالیٰ نے تمام طریقے بد دیانتی کے بیان فرما دیئے۔ اور ایسا کلام کلّی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بد دیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جائے۔ صرف یہ نہیں کہا کہ تو چوری نہ کر تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری تو میرے لئے حرام ہے مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں۔ اس کلمہ جامع کے ساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے۔ غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خُلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ اگر دیانت وامانت کو بعض امور میں دکھلائے بھی تو یہ حرکت اس کی خُلق دیانت میں داخل نہیں سمجھی جائے گی بلکہ ایک طبعی حالت ہوگی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے۔

تیسرا خُلق صُلح کاری: تیسری قسم ترکِ شرّ کی اِخلاق میں سے وہ قِسم ہے کہ جس کو عربی میں ھُدنہ اور ھَون کہتے ہیں۔ یعنی دوسرے کو ظُلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شرّ اِنسان ہونا اور صُلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ پس بلاشبہ صُلح کاری اعلیٰ درجہ کا ایک خُلق ہے اور انسانیت کے لئے از بس ضروری۔ اور اس خُلق کے مناسب حال طبعی قُوّت جو بچہ میں ہوتی ہے جس کی تعدیل سے یہ خُلق بنتا ہے اُلفت یعنی خُوگرفتگی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف اپنی طبعی حالت میں یعنی اس حالت میں کہ جب اِنسان عقل سے بے بہرہ ہو۔ صُلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا۔ اور نہ جنگ جُوئی کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے۔ پس اُس وقت جو ایک عادت موافقت کی اُس میں پائی جاتی ہے وُہی صُلح کاری کی عادت کی ایک جڑھ ہے۔ لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبّر اور اخلاص اِرادہ سے اختیار نہیں کی جاتی اس لئے خُلق میں

داخل نہیں بلکہ خُلق میں تب داخل ہو گی کہ جب اِنسان بالارادہ اپنے تئیں بے شرّ بناکر صُلح کاری کے خُلق کو اپنے محل پر استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے مُجتنب رہے۔ اس میں اللہ جلّ شانہ ٗ یہ تعلیم فرماتا ہے۔
وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (الانفال۔۱)وَالصُّلْحُ خَيْرٌ(النساء:۱۲۸) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال:٦١) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَي الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان٦٣) وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان: ٧٢) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ (حم السجدة٣٤)
-

یعنی آپس میں صُلح کاری اختیار کرو۔ صُلح میں خیر ہے۔ جب وہ صُلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صُلح کاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغوبات کسی سے سُنیں۔ جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو تو بزرگانہ طور پر طرح دے کر چلے جاتے ہیں۔ اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے۔ یعنی جب تک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صُلح کاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو خیال میں نہ لاویں۔ اور معاف فرماویں۔ اور لغوّ کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں لغوّ اُس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی بکواس کرے۔ یا بہ نیّت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صُلح کاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرماویں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں۔ لیکن اگر ایذا صرف لغوّ کی مدّ میں داخل نہ ہو بلکہ اس سے واقعی طور پر جان یامال یاعزت کو ضرر پہنچے تو صُلح کاری کے خُلق کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ اگر ایسے گُناہ کو بخشا جائے تو اس خلق کا نام عفوہے جس کا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان ہو گا، اور پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے کچھ یاوہ گوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلح کاری کا اس کو جواب دو۔ تب اس خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائے گا۔ غرض صلح کاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچا ہو۔ صرف دشمن کی بیہودہ گوئی ہو۔

چوتھا خُلق رِفق اور قولِ اَحسن: چوتھی قسم ترکِ شرّ کی اخلاقی میں سے رِفق اور قولِ اَحسن ہے اور یہ خُلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام طَلاقت یعنی کشادہ روئی ہے۔ بچہ جب تک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بجائے رفق اور قولِ حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے۔ یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑھ جہاں سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے۔ طلاقت ایک قوت ہے اور رفق ایک خلق ہے جو اس قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے اس میں خُداتعالیٰ کی تعلیم یہ ہے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرة:٨٣)۔لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات:١١) اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا.......... وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات ١٢) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــــُٔوْلًا۔ (بنی اسرائیل:٣٦)

ترجمہ۔ یعنی لوگوں کو وہ باتیں کہو جو واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ۔ اپنے لوگوں کے بُرے بُرے نام مت رکھو۔ بدگُمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کُرید کُرید کر پُوچھو۔ ایک دُوسرے کا گِلہ مَت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بُہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ اور یاد رکھو کہ ہر یک عُضوّ سے مواخذہ ہو گا اور کان، آنکھ، دل ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔ (فہرست مضامین)

خطبہ یکم ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ/۲۶ اگست ۱۹۳۰ء

حضرت امام زمان کے تجدید دین کے کام

سورۃ الفاتحہ اور انسان کی روحانی زندگی

حضرت مولانا محمد علیؒ

تشہد و تعوذ کے بعد حضرت مولیٰناؒ نے سورۃ شریفہ الفاتحہ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ مَیں اس سورۃ کو بار بار آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس زندگی کے بنانے میں، کہ جس کو مذہبی یا روحانی زندگی کہا جاتا ہے، یہ سورہ فاتحہ سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ میں نے کہا تھا۔ کہ پہلی کیفیت، جو اس سورۃ کی تلاوت سے پیدا ہوتی ہے، اطمینانِ قلب اور سکون ہے۔ جو ارد گرد کے حالات کے مطابق اپنے آپ کو بنا لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ تاکہ جو مصائب اور دُکھ آئے دن ہمیں پیش آتے ہیں، وہ ہماری ترقی میں روک کا موجب نہ ہوں۔ اطمینانِ قلب پہلی بات ہے کہ جو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو اس کے معنوں کے ساتھ دہرانے میں ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد رَبِّ الْعَالَمِیْنَ آتا ہے۔ کہ جس کے معنی ہیں تمام جہانوں، تمام عالموں، کل دنیا اور قوموں کا رب۔

ایک ایسے زمانہ میں، کہ جب تمام مذاہب نے اپنے اپنے گرد چار دیواریاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور وہ چار دیواریاں بھی اس قدر بلند بنا رکھی تھیں، کہ دوسرا شخص ان کے اندر جھانک بھی نہ سکتا تھا۔ ہندوؤں، بدھ اور یہودی تمام مذاہب کا یہی حال تھا، کہ وہ اپنے سوائے کسی دوسرے میں کسی صداقت کے قائل نہ تھے۔ یہاں تک کہ مذہب عیسائیت کا بھی یہی حال تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ دنیا میں علم اور تہذیب کی ترقی کے ساتھ قلوب میں کوئی وُسعت پیدا ہوتی۔ مگر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ تمام خوبیوں کو وابستہ کر کے دوسرے پاک لوگوں کو بُرے ناموں سے یاد کیا!

ہندوستان کو دیکھیئے۔ تو یہاں بھی اپنے آپ کو خوبیوں کا جامع اور دوسروں کو ہر قسم کی خوبی سے خالی سمجھ رکھا تھا۔ ایسے وقت میں، کہ جب دنیا کے تمام مذاہب اور اقوام کا یہ حال تھا، ایک اُمیؐ، جس نے کسی ملک کی تاریخ نہ پڑھی تھی، اور دُنیا کے حالات سے یکسر ناواقف تھا، سب سے پہلے دنیا کو یہ سبق سکھاتا ہے! اور کس طرح سے اس کے دل سے یہ چھوٹ کر نکلتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تمام تعریفیں اور خوبیاں اس ذات کے لئے ہیں، جو کل جہانوں، کل عالموں اور اقوام کا ربّ ہے۔ بہت بڑی بات ہے! کہ جو اس نے دنیا کو سکھائی۔ اور اس سے مقصود یہ ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں میں وسعت پیدا ہو۔ اور ان کے قلب فراخ ہو جائیں۔ ایک ہی جگہ پر خوبیوں کو محدود کرنا، یہ حد درجہ کی تنگدلی ہے۔ کہ جو دنیا ترقی میں روک ہے۔

صحیح رنگ میں ترقی کے لئے سب سے پہلی چیز فراخدلی ہے۔

جب تک دلوں میں وسعت نہ ہو، کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ سکونِ قلب اور دل کے اطمینان کے ساتھ وسعتِ قلب کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور وسعتِ قلب کے بغیر ترقی کا ہونا ناممکن ہے؛ اللہ تعالیٰ تمام قوموں کا پروردگار ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال اس وقت پیدا کیا کہ جب دنیا کا دل تنگ تھا۔ آپؐ کو یہ خیال اس وقت کس طرح آیا؟ کہ وہ کسی ایک خاص قوم کا رب نہیں، بلکہ وہ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے۔ تمام اقوام کا پروردگار ہے۔ شاید بعض لوگ یہ خیال کریں کہ یہ کوئی معمولی سی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام اقوام کا رب کہہ دیا گیا ہے۔ مگر فی الحقیقت دنیا کی تاریخ میں ایک انقلاب پیدا کرنے والا خیال ہے۔ اگر یہ تعلیم دنیا میں نہ آئی ہوتی، تو قوموں کی باہمی عداوتوں اور کینوں کی وجہ سے یہ ترقی بھی دنیا میں نہ ہوتی۔ اور نہ اخوت اور ہمدردی کا یہ خیال، کہ جو آج موجود ہے، کبھی پیدا ہو سکتا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں بلند خیال، بلند کام سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ شخص، کہ جس نے آگ اور پانی کو مسخر کر کے کام میں لگا دیا، اس نے دنیا پر بہت بڑا احسان کیا۔ مگر اس سے بڑھ کر دنیا پر اس شخصؐ نے احسان کیا، کہ جس نے نسل انسانی کو یہ تعلیم دی وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔ (۴۵:۱۳) کہ دنیا کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔ اور اس خیال کو پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ بے شمار قلوب انسانی کے اندر پہنچا دیا۔ جس طرح بجلی کا ایک جگہ مرکز ہوتا ہے۔ اور وہاں سے اس کا اثر تاروں کے ذریعہ جگہ جگہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح ایک مقدس قلب کا تعلق بھی دوسرے قلوب سے ہوتا ہے۔ گو وہ تاریں، جن سے وہ تعلق ہوتا ہے، ہم کو نظر نہیں آتیں۔ جیسا قرآن شریف میں آتا ہے۔ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا۔(۲:۱۳) اس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے ذریعے سے بلند کیا ہے، کہ جن کو تم ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ انبیاؑ بھی بجلی کا ایک مرکز ہوتے ہیں۔ کہ جہاں سے تاریں نکل کر لوگوں کے دلوں میں لگ جاتی ہیں۔ اور جس جس کا تعلق اس کے ساتھ ہو جاتا ہے، وہ ان میں اثر پیدا کر دیتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ کمال ہے کہ آپؐ نے لوگوں کے دلوں میں بلند خیالات کو پیدا کر دیا۔ انہی بلند خیالات میں سے ایک خیال رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کا ہے۔ کہ وہ رب کسی خاص ایک قوم کا نہیں، بلکہ وہ تمام اقوام کا رب ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں یہ خیال ایک بیج کی طرح ہے۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ خود سارے قرآن شریف کا خلاصہ ہے۔ اور اسی لئے اس کو اُمُّ الْقُرْآنِ بھی کہا ہے۔ تو بطور بیج کے وسعتِ خیال رَبُّ الْعَالَمِیْنَ میں موجود ہے۔ اور قرآن شریف میں اس خیال کو ایک درخت کی طرح پھیلا دیا ہے۔ اور جگہ جگہ اس کی شاخیں اس کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ اس خیال کو آہستہ آہستہ وہ کس طرح شروع کر کے پھیلاتا ہے؟ ایک جگہ جو فرمایا کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (۲۱۳:۲) تمام لوگ ایک ہی قوم اور ایک ہی جماعت ہیں فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ۔ (۲:۲۱۳) اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اندر نبیوںؑ کو مبعوث کیا ہے۔ کہ جو لوگوں کو نیک اعمال پر خوشخبری دیتے اور بدی کے انجام سے ڈراتے ہیں۔

تمام انسانوں کے ایک ہونے کا وہ بلند خیال ہے، کہ جو لوگوں کے اندر محمد رسول اللہ نے پیدا کیا۔ یہی بات اگر ٹیگور کے منہ سے نکل جائے، یا کسی یورپین کے منہ سے نکل جائے، دنیا میں اس کی کتنی قدر ہوتی! محمد رسول اللہ کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ کہ آپؐ نے وحدتِ نسل انسانی کا خیال دنیا میں پیدا کیا۔ اور یہ صرف خیال ہی خیال نہیں، بلکہ اس کو ایک علم بنا دیا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد یہ بھی فرما دیا کہ ہم نے ان کے اندر انبیاءؑ مبعوث کئے ہیں۔ یعنی تمام قوموں میں ہم نے انبیاءؑ کو مبعوث کیا۔ اور پھر وَاَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتَابَ۔ (۲۱۳:۲) ان پر جگہ بہ جگہ کتاب بھی اُتاری۔ اور ان کے اندر علم پھیلایا۔

پھر دوسری جگہ فرمایا وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّاخَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ (۲۴:۳۵) کوئی بھی قوم نہیں کہ جس میں ہم نے کوئی نذیر نہیں بھیجا۔ پھر فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ۔ (۷۸:۴۰) کہ رسولؐ وہی نہیں، جن کا ذکر قرآن شریف میں آگیا، بلکہ اور بھی رسولؐ ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے قرآن شریف میں نہیں کیا۔ یہ سب باتیں اس بات کو واضح کرنے کے لئے ہیں، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی جسمانی ربوبیت عالمگیر ہے، اسی طرح اس کے انسانوں کی روحانی ربوبیت عالمگیر ہے۔ یہ الفاظ دیگر اس کی ربوبیت صرف ظاہر پرورش تک ہی محدود نہیں ہے۔ جس طرح سورج، زمین، ہوا اور پانی تمام قوموں کی جسمانی پرورش کے لئے یکساں طور پر پیدا کیا ہے، اسی طرح تمام قوموں کی روحانی پرورش کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔ اس کی ربوبیت کا فیضان بھی تمام اقوام پر عام ہے۔ اور اس کا تعلق تمام قوموں کے ساتھ ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے، جو مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ کہ اس نے تمام اقوام کے ساتھ اپنا سلوک یکساں رکھا ہے۔ جب صدقہ اور خیرات کے احکام قرآن کریم میں نازل ہوئے، تو لوگوں نے سمجھا، کہ خیرات اور صدقہ کے مستحق صرف مسلمان ہیں۔ کیونکہ ان کو اپنے کفار رشتہ داروں سے بہت سی سختیاں برداشت کرنا پڑی تھیں۔ تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ۔ (۲۷۲:۲) تیرے ذمہ ان کی ہدایت نہیں ہے۔ یعنی قرآن کریم فقر اور تنگی کی حالت میں غیر مسلموں کی امداد بھی ضروری قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کے ساتھ یکساں طور پر سلوک کرتے تھے۔ صحابہؓ نے اپنی خیرات اور ہمدردی کو تمام لوگوں پر وسیع کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں تک کو اسی طرح وظائف دلائے، جس طرح مسلمانوں کو ملتے تھے۔ عام معاملات اور تنازعات میں کسی مسلمان کی غیر مذاہب کے خلاف رعایت نہ ہوتی تھی۔ جیسے کہ مسلمانوں کو قرآن شریف میں حکم دیا گیا ہے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰ نُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِ لُوْا۔ (۸:۵) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے، کہ تم اس کے بارہ میں انصاف نہ کرو۔

غرض جتنا آپ قرآن شریف میں تعلیم کی مختلف شاخوں پر غور کریں گے، وہ سب سورۃ فاتحہ کے بیچ سے پھوٹ کر نکلی ہوئی معلوم ہوں گی۔ اور ان سب میں رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کی جھلک نظر آئے گی۔ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ سے مقصد بلند خیالی اور وسعت قلب کو پیدا کرنا ہے۔ خواہ وہ اپنوں کے متعلق ہو، یا دشمنوں کے متعلق۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت چونکہ سب پر حاوی ہے، اس لئے دوست دشمن دونوں کے لئے ہمارے دل میں فراخی اور وسعت پیدا ہونی چاہیئے۔ ایک جگہ دشمنوں کو مخاطب کر کے فرمایا وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ۔ (۱۳۹:۲) اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہے۔ ہاں اس کی ربوبیت اعمال کے مطابق بھی ہوتی ہے۔ اس لئے ساتھ ہی فرمایا وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ۔ (۱۳۹:۲) ہمارے عملوں کے نتائج بھی ہیں اور تمہارے عملوں کے نتائج بھی ہیں۔

غرض سورۃ فاتحہ میں یاد رکھنے کے قابل دوسری بات وسعتِ قلب کے لئے ایک خیال پیدا کرنا ہے کہ اللہ سب کا پروردگار ہے۔ اور کل اقوام کی روحانی تربیت کرنے والا ہے۔ جس میں یہ سبق دیا ہے کہ انسان اپنے اندر وسعت قلب پیدا کرے۔ دنیا میں اچھی قوم وہی ہے، کہ جو اپنی عملی زندگی میں ان اصولوں کو لینے کی کوشش کرے۔ وعظ کے سن لینے سے کوئی فائدہ نہیں، جب تک کہ ان بلند خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری کوشش نہ کی جائے۔ جو انسان بیدار ہے، وہ اپنے فائدے کی بات سن کر، اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنی عملی زندگی میں وسعتِ خیال پیدا کرنی چاہیئے۔ مسلمان اس فراخ دلی کے سبق کو بھولے ہوئے تھے۔ اور اپنا دائرہ تنگ کرتے کرتے اپنوں سے بھی حد درجہ کی تنگ خیالی برتنی شروع کی۔ جس کا بدترین نظارہ تکفیر بازی کی بیماری میں ہے۔ ہر ایک فرقے کا یہ حال ہو گیا کہ اس نے اپنی ذات کے سوا اسلام سے باقی سب کو

نکال باہر کیا! ہر ایک نے دوسرے کو دین کے دائرہ سے خارج کر دیا تھا۔ غیروں کو فراخی کا پیغام کیا دیتے؟ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہنے پر تلے بیٹھے تھے۔ ایسے وقت میں اللہ نے ایک مجدد پیدا کیا۔ وسعتِ قلبی اور فراخدلی کا پرانا خیال، جو مسلمانوں سے گم ہو گیا تھا، اس نے اس کو زندہ کیا۔ وسعتِ قلبی کی تعلیم اور تمام دنیا کی قوموں کی ربوبیت کرنے کا خیال آج حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یاد دلایا ہے۔ اور اس پر زور دیا ہے کہ خدا کے رسول اور نبی دنیا کی ہر قوم میں آئے۔ یہاں تک کہ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ کے ماتحت **کرشن اور رام چندر جی مہاراج کے نام بھی لے دیئے**۔ اور اس کے علاوہ اور بھی کئی نام لیئے۔ یہ اس لئے کہ لوگوں کے دلوں سے وہ پرانی تنگ خیالی دور ہو، اور ان کا خوف اُتر جائے۔ اور تعلیم اسلامی کی وسعت ان کے دلوں پر اپنا پورا اثر کر جائے۔ اس ایک ہی بات میں کتنی تنگ خیالیوں کو دُور کر دیا! کہ دنیا کی ہر ایک قوم کے اندر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا ہے۔ تعجب ہے۔ کہ جس شخص نے اس قدر وسعت خیالی کو دوبارہ زندہ کیا، اس پر فرقہ بندی کی تنگ خیالی کا الزام دیا جاتا ہے! اور یہ ایک ہی وسعت خیالی نہیں، جسے حضرت مجدد نے زندہ کیا ہے، بلکہ اسلام کی تعلیم میں جتنے وسعت کے پہلو ہیں، جنہیں درمیانی زمانہ میں لوگوں نے بھلا دیا، ان سب کو آپ نے زندہ کیا۔ مثلاً آج یہ عام خیال علماء میں پایا جاتا ہے، کہ ہندو، عیسائی اور دوسرے غیر مسلم لوگوں کے کئے ہوئے نیک اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ ان کے اعمال کا ان کو کوئی فائدہ نہ ہو گا! حضرت صاحب نے اس تنگ دلی کو بھی دور کیا۔ اور بتایا کہ قرآن شریف کی تعلیم تو یہ ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَه‘۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَه‘۔ (۹۹:۸-۷) جو شخص ایک چھوٹی سی نیکی بھی کرتا ہے، وہ اس کا اجر پائے گا۔ اور جو شخص کوئی برائی کرتا ہے، اس کا بدلہ بھی ضرور پالے گا۔ ہندو اور غیر مسلم بھی اگر نیک عمل کرے تو وہ ضرور اچھا بدلہ پائے گا۔ مسلمان اگر احمدی بھی ہو، تو بدی کا بدلہ پائے گا۔ ایسا ہی ایک اور خیال بھی مسلمانوں کے اندر تنگ دلی کا موجود تھا۔ اور وہ یہ کہ مسلمان گنہگار تو اپنے اعمال کی سزا دوزخ میں بھگت کر نکل جائیں گے۔ لیکن ہندو، عیسائی اور کافر اس میں ہمیشہ کے لئے پڑے رہیں گے۔ اور اس خیال پر تو مسلمانوں کا خیالی اجماع بھی موجود ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس خیال کو بھی تمام علماء اور مولویوں کی پروانہ کرتے ہوئے نہایت بہادری سے دُور کر دیا۔ اور بتایا کہ جہنم فی الحقیقت خدا کے کوئی غصہ نکالنے کی جگہ نہیں۔ بلکہ وہ ایک علاج کی جگہ ہے۔ وہ کمی، جو ہمارے اندر آئندہ جنتی زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے میں رہ گئی ہے، اس کو وہاں دوزخ میں دُور کیا جائے گا۔ اور ہر شخص کو، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اپنی اصلاح کے بعد اس کو دوزخ سے باہر لایا جائے گا۔ اور آخر کار دوزخ فنا ہو جائے گی۔

کتنا بلند خیال تھا! جو مرزا صاحب نے تمام غیر علماء اور مولویوں کے بالمقابل پیدا کیا۔ اس طرح سے مسلمانوں میں یہ بھی خیال تھا، کہ تلوار کے زور سے کسی کو مسلمان بنالینا جائز ہے! اس میں اس قدر غلو تھا۔ کہ کسی شخص کو اسلام قبول نہ کرنے پر اس کا قتل کرنا جائز سمجھ لیا گیا ہے! جیسا کہ مہدی کی آمد کے خیال میں لوگوں کو بہ جبر اسلام میں لانے اور نہ ماننے والوں کے قتل کرنے کا جواز سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اس خیال سے وہ مرتد کو قتل کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ حالانکہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ (۲:۲۵۶) یہ ایک عام قانون تھا۔ جو اسلامی تعلیم کی وسعت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ مگر اب اس کے خلاف مسلمانوں میں نہایت تنگ خیالات مروّج ہو گئے ہیں۔

حضرت صاحب نے ان تمام تنگ خیالات کو بھی دور کیا۔ اور بتایا کہ اصل حکم قرآن شریف کا لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ (۲:۲۵۶) ہے۔ یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔ اور مرتد کو قتل کرنا یا سلام قبول نہ کرنے پر قتل کا جائز ہونا، یہ بعد کی تنگ خیالی ہے۔ اور خلاف تعلیم قرآن کریم ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے آپس کے تعلقات میں بھی حضرت مجدد نے وسعت پیدا کی۔ اور اس میں جو سب سے بڑا کام آپ نے کیا، وہ یہ تھا، کہ فروعی جھگڑوں میں تضیع اوقات سے انہیں بچا دیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مسلمانوں کے اندر فساد ہو جاتے تھے۔ نماز میں ہاتھ باندھنے اور آمین بالجہر یا رفع یدین پر لوگ جھگڑتے اور فساد برپا کرتے تھے۔ کورٹوں تک مقدمے جاتے۔ ان باتوں نے مسلمانوں کی قوت اور طاقت کو کمزور کر رکھا تھا۔ حضرت مجدد نے ان تمام باتوں میں اس قدر وُسعت اختیار فرمائی۔ کہ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر کوئی بلند آواز سے آمین کہتا، کوئی ہلکی آواز سے، کوئی رفع یدین کرتا، کوئی نہ کرتا، کوئی ہاتھ سینے پر باندھتا اور کوئی ناف کے نیچے۔

تکفیر کے مسئلہ نے مسلمانوں پر جو تباہی ڈالی تھی اور ان کی قوت کو پست کر رکھا تھا، اس کو بھی دُور کیا۔ سب کلمہ گوؤں کو بھائی بھائی اور مسلمان بنادیا۔ بعض لوگ بزرگان دین کو بُرائی سے یاد کرتے تھے۔ آپ نے تمام بزرگوں، تمام صحابہؓ، تمام اولیاء ؒ، اقطابؒ اور ابدالؒ وغیرہ کی عزت کرنے کی تعلیم دی۔ اور ان کی یکساں عزت کرنا سکھائی!

اب غور کیجئے۔ کہ کیا غیر مسلموں کے متعلق اور کیا مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں حضرت مسیح موعود نے کس قدر وسعت خیالی کو پیدا کیا! اور کس طرح تمام تنگ خیالات کو یکسر مٹا کر رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کے پاک خیال کو از سرِنو ترویج دی! یہ کسی معمولی عالم کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ یقیناً خُدا کا دیا ہوا نُور تھا۔ اور آپ کے اندر وہی روح کام کر رہی تھی جس کے متعلق فرمایا یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ۔ (۴۰:۱۵) درحقیقت ان تمام امور کو آپ نے جمع کر دیا ہے، جن کے ذریعہ سے قوم تنگ خیالی اور پستی سے نکل کر وسعت قلبی کے ذریعہ سے ترقی کے بلند معیار پر چڑھ سکتی ہے۔

پھر مولوی یہ بھی کہتے تھے۔ کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ حضرت صاحب نے یہ بھی بتایا۔ کہ یہ خیال بھی غلط ہے۔ عقل اور مذہب دونوں انسان کو خدا کی طرف سے ملے ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف کیسے ہو سکتے ہیں؟! اس خیال کے پیدا کرنے سے حضرت صاحب نے مذہب پر یہ احسان کیا کہ اس کو عقلمندوں کی نگاہ میں ایک معقول چیز بنادیا۔

غرض ان سب باتوں میں آپ نے مسلمانوں کے اندر وسعت قلب کو پیدا کیا۔ مگر اس کی بنیاد یا بیج تو وہی رَبُّ الْعَالَمِیْنَ میں موجود تھا۔ قرآن شریف کی روشنی میں حضرت صاحب نے اس کو اس کی تمام شاخوں میں پھیلا دیا۔ میں حیران ہوں کہ احمدیت کے اس قدر وسعت خیالی پیدا کرنے کے باوجود، بعض لوگ احمدیت کو دوسرے لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا موقعہ آجائے، تو شکر کرتے ہیں کہ کسی پر ان کی احمدیت ظاہر نہیں ہوئی! مگر ان کو یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ احمدیت ظاہر کرنے، کھولنے اور اعلان کرنے کی چیز ہے۔ اس کو چھپانا گویا اس وسعت قلبی کو مٹانا ہے، کہ جو اس نے پیدا کی ہے! اگر تنگ دلی اور خیالات کی پستی کو دُور کرنا اچھا ہے، تو پھر احمدیت کو علی الاعلان ظاہر کرنا چاہیئے۔ اور لوگوں کو یہ بتادو، کہ احمدیت فی الحقیقت وسعت قلبی کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔

وہی تعلیم کہ جو اسلام کا اصل اصول ہے، وہی اب احمدیت کے رنگ میں پیدا ہوئی ہے۔ تمام سلف صالحینؒ اس پر قائم تھے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ ہاں! درمیانی زمانہ میں جس چیز کو لوگوں نے بھلا دیا، یہ وہی اسلام کی گم گشتہ حکمت ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا دنیا پر اور پھر دنیائے اسلام پر یہ بڑا بھاری احسان ہے کہ آپ نے اسلام کی اس وسیع تعلیم کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور تمام تنگ خیالیوں کو، جو غلطی سے اس کے اندر داخل ہو گئی تھیں، مٹایا۔ ایسے محسن کا نام ہم کیوں نہ لیں! اور مسلمانوں کو کیوں نہ بتائیں! کہ وہ بھی ہر قسم کی تنگ خیالیوں کو چھوڑ کر، اس وسیع تعلیم پر عامل ہو کر، دنیا میں اسلام کو مقبول اور پسندیدہ بنائیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں، جو اس سے نفرت ہے، اسے دور کریں۔ اگر کوئی شخص ایسے محسن کا نام لینے سے خائف ہے، تو اُس نے حضرت صاحب کے مقام اور مشن کو سمجھا ہی نہیں!

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی تعریف کرنا گناہ نہیں۔ اگر دیگر بزرگانؒ اسلام کا ذکر نقصان رساں نہیں، تو مرزا صاحب کے کمالات کا ذکر کرنا بھی گناہ نہیں ہو سکتا۔ تبلیغ اسلام میں ہماری یہ پالیسی نہیں، کہ حضرت صاحب کا نام نہ لیں۔ وہ شخص، کہ جس نے دنیا میں اسلام کی زندہ تصویر پیش کر دی، کیا اس کا نام لینا گناہ ہے! یہی اسلام تھا کہ جس کی طرف یورپ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مگر اب وہی اسلام ہے کہ جس کو حضرت صاحب کے شاگردوں نے پیش کیا، تو سب کی گردنیں جھک گئیں! ایسے محسن کے نام کو تو دنیا میں ظاہر کر دینا چاہیئے۔ اور اس جماعت کو مضبوط اور وسیع کرنا چاہیئے، جو آپ کی نام لیوا ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مجدد تو بیشک ہیں، مگر ان کے مسیح موعود کا دعویٰ کرنے سے اسلام کو نقصان پہنچا ہے! یہ تو تب ہوتا۔ جب حضرت صاحب کوئی پیشگوئی بنالیتے۔ پیشگوئیاں گو احادیث یہ موجود ہیں، کہ ایسا شخص امت میں ہوگا۔ پھر جس شخص نے قوم کے اندر سے اتنی تنگ خیالی کی بیماریوں کو دُور کر دیا، وہ مسیحا نہیں، تو اور کون ہے؟ کیا خوب کہا ہے حضرت صاحب نے:

حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب۔ خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

مگر جو شخص روحانی امراض کو دُور کر دے، اس کو مسیح کہنے سے گھبرانے کا کیا مطلب! مسیحا وہی ہے۔ جس نے اسلام کی حقیقی تعلیم کو دوبارہ زندہ کر کے مسلمانوں کے لئے ترقی کا رستہ کھول دیا۔ آپ کی مسیحائی لفظوں میں نہیں کام میں ہے۔ (پیغام صلح۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء)۔ (فہرست مضامین)